ہمارے خیال میں اس جمہوری دور میں ووٹر پر عمل صالح کی پابندی لگا کر یہ نسخہ آزمانا مشکل سا نظر آتا ہے۔ جب تک کاروبارِ حکومت میں حصہ لینے کے عوامی حق کے ذہن کو نہ بدلا جائے تب تک ع

"تا ثریا مے رود دیوار کج"

والا معاملہ ہی رہے گا۔ کثرت رائے کا اصول پھر پارٹیاں پیدا کرے گا۔ جو رائے عامہ منظم کریں گی۔ وہی ہتھکنڈے وہی خرابیاں۔ اور پارلیمنٹ میں پارلیمانی اور صدارتی نظام کے جھگڑے اور کثرت رائے کے فیصلے۔ آخر کیا کچھ اسلامی مزاج کے خلاف برداشت کیا جا سکتا ہے۔

پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ یہ طرزِ انتخاب اور مرکزی اسمبلیوں کا قیام دراصل مغربی عیاشی کی ایک شکل ہے۔ پاکستان جیسا غریب ملک اس مد پر ہر جو تھے پانچویں سال کروڑوں روپے خرچ کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ قومی دولت اور وقت کے ضیاع کا تو اندازہ لگانا ہی بہت مشکل ہے۔ قوم میں اخلاقی اور معاشرتی برائیاں جو پیدا ہوتی ہیں وہ مستزاد ہیں۔ پھر بھلا وہ کون سی خوبی ہے جس کی بنا پر ہم اسی نظام کی ترمیم شدہ شکل سے چمٹے رہنے کی کوشش جاری رکھیں۔

# ۳۔ موجودہ طرزِ انتخاب اور اجماعِ سکوتی

جمہوریت نوازوں کی طرف سے اکثر یہ اعتراض بھی اٹھایا جاتا ہے کہ:

۱۔ مغربی جمہوری نظام ہمارے ملک میں تقریباً ایک صدی سے رائج ہے لیکن علماء نے اس کے عدم جواز کا آج تک فتویٰ نہیں دیا۔

۲۔ ۱۹۴۹ء میں جو قراردادِ مقاصد منظور ہوئی۔ یہ قرارداد تقریباً ۲۲ ممتاز علمائے دین کی مشترکہ جدوجہد سے منظور ہوئی جن کے سربراہ علامہ شبیر احمد عثمانی تھے۔ اس قرارداد کی منظوری پر سب علماء مطمئن اور خوش تھے۔

۳۔ ۱۹۷۳ء کے آئین میں بھی ممتاز علمائے کرام مثلاً مفتی محمود، مولانا غلام غوث ہزاروی شاہ احمد نورانی، پروفیسر غفور احمد وغیرہ موجود تھے، جنھوں نے اس آئین کو صحیح اور پہلا اسلامی آئین قرار دیا۔

۴- بہت سے ممتاز علمائے کرام خود اس طرزِ انتخاب میں حصہ لیتے رہے ہیں۔

۵- ان ساری سرگرمیوں کے باوجود آج تک (یعنی ۱۹۷۹-۸۰ء تک) کسی عالمِ دین نے اس کے خلاف فتویٰ نہیں دیا لہٰذا یہ اجماع سکوتی ہے جو منجملہ ادلۂ شرعیہ ایک قابلِ حجت امر ہے۔ اب اس کے خلاف آواز اٹھانا:

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولّه ما تولّیٰ ونصله جهنم وساءت مصیرا۔ (۴/۱۱۵)

اور جو شخص سیدھا رستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مومنوں کے رستے کے سوا اور رستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم ادھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔

کی رُو سے ناجائز اور جماعت مسلمین میں انتشار اور تفرقہ پیدا کرنے کے مترادف ہے۔

یہاں تین باتیں قابلِ غور ہیں۔

۱- اجماعِ صحابہ کے حجت ہونے میں تو کسی کو کلام نہیں۔ لیکن مابعد کے ادوار کا اجماع کا حجت ہونا بذاتِ خود مختلف فیہ مسئلہ ہے اور راجح قول یہی ہے کہ مابعد کا اجماع امت کے لیے قابلِ حجت نہیں ہے۔

۲- صحابہ کا اجماع تو ثابت کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ان کا زمانہ بھی محدود اور علاقہ بھی محدود تھا۔ لیکن مابعد کا اجماع ثابت کرنا ہی بہت مشکل ہے۔ جب کہ امت اقصائے عالم میں پھیل چکی ہے، اور علما بھی ہر جگہ موجود ہیں۔

۳- مسئلہ زیرِ بحث پر واقعی اجماع ہے یا نہیں؟ بالخصوص ہمارے علاقہ پاکستان کے کیا سب علما اسی پر متفق ہیں؟

ہم صرف تیسری شق پر غور کریں گے۔ اگر یہ اجماع ہی ثابت نہ ہو سکے تو باقی دو کی تفصیل و تشریح تحصیلِ حاصل ہوگی۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ مغربی طرزِ انتخاب کے پانچ ارکان ہیں اور ان کی بنیاد عوام کی حاکمیت ہے ان میں سے ایک بھی حذف ہو جائے تو یہ نظام چل نہیں سکتا اب دیکھیے:

(۱) عوام کی حاکمیت کے بجائے اللہ کی حاکمیت تو ایسا بنیادی مسئلہ ہے جس میں کسی دینی

دشما کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآن کریم میں بے شمار ایسی آیات ہیں جو اس مسئلہ میں قطعی حکم کا درجہ رکھتی ہیں۔ لہٰذا اس مسئلہ پر علماء کی تصانیف بھی ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ جبکہ موجودہ جمہوریت کی بنیاد ہی یہ ہے کہ مقتدرِ اعلیٰ صرف انسان ہی ہو سکتا ہے۔ انسان سے ماورئی کوئی ہستی متصور نہیں ہو سکتی۔[۱] اللہ کی حاکمیت کا زبانی یا تحریری اقرار کچھ سود مند نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ موجودہ طرزِ انتخاب کی تشکیل ہی اس نہج پر ہوتی ہے کہ وہ خواہ عوام کی حاکمیت تسلیم کرنے پر مجبور کر دیتی ہے لہٰذا یہ اجماع سراسر نامکمل ہے کیونکہ اس کی اصل بنیاد سے سب علماء اختلاف رکھتے ہیں۔

(ii) علامہ اقبال جنھیں سیاسی بصیرت کے لحاظ سے نظریہ پاکستان کا خالق اور دینی بصیرت کے لحاظ سے مفکر اسلام سمجھا جاتا ہے۔ جنھوں نے خود مغربی ملکوں میں گھوم پھر کر اس جمہوریت کا بغور مطالعہ کیا۔ انھوں نے نصف صدی پیشتر مسلمانوں کو جمہوریت کی قباحتوں سے متنبہ کر دیا تھا۔ شلاً:

(ا) حق بالغ رائے دہی اور پھر "ہر ایک کے ووٹ کی یکساں قیمت" کے متعلق فرماتے ہیں۔

گریز از طرزِ جمہوری غلامِ پختہ کارے شو      کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمے آید

یہاں دو صد خر سے مراد عوام اور پختہ کار انسان سے مراد صاحب الرائے ہے۔

اسی مضمون کو دوسرے شعر میں اس طرح ادا کیا ہے۔

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں      بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

(ب) ووٹوں کی اکثریت حاصل کرنے کے لیے پارٹیاں بنانے اور الیکشن لڑنے کے متعلق فرماتے ہیں:-

الیکشن، ممبری، کونسل، صدارت      بنائے خوب آزادی کے پھندے

میاں نجار بھی چھیلے گئے ساتھ      نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

(ج) وہ اس نظام کو بھی آمریت اور استبداد ہی کی ایک شکل قرار دیتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ملوکیت میں ایک آدمی خودسر اور خود رائے ہوتا ہے۔ جمہوریت میں اکثریتی پارٹی خدا بن بیٹھتی ہے۔ باقی پارلیمنٹ اور رعایا سب اس کی محکوم و مجبور و مقہور رہتی ہے۔ فرماتے ہیں

[۱] تعارف مدنیت ص ۱۰۶ بیسواں ایڈیشن از پروفیسر محمد امین جاوید ایم اے (تاریخ سیاسیات)

| | |
|---|---|
| ؎ دیوِ استبداد، جمہوری قبا میں پائے کوب | تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری |
| ہے وہی سازِ کہن، مغرب کا جمہوری نظام | جس کے پردے میں نہیں غیر از نوائے قیصری |
| ؎ اس سراب رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو | آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو |
| ؎ تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام | چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر |
| ؎ فرنگ آئینِ جمہوری نظام نہاد است | رسن از گردنِ دیوے کشاد است |
| ؎ وائے بر دستورِ جمہورِ فرنگ | مردہ تر شد مردہ از صورِ فرنگ |

حیرت تو اس بات پر ہے کہ اس قومی ہیرو کی ہر سال بڑے جوش و خروش سے برسی منائی جاتی ہے۔ مقرر حضرات علامہ اقبال کے شعروں سے اپنی تقریر کو مزین کرتے ہیں اور مصنفین اس کے شعروں کے بغیر اپنی تحریر کو مستند و مکمل نہیں سمجھتے لیکن یہ عقیدت محض رسمی اور نمائشی ہی معلوم ہوتی ہے۔

(iii) علامہ اقبال کے بعد قائداعظم پاکستان کے بانی اور قومی ہیرو ہیں۔ آپ کے ارشادات کا بھی بار بار تکرار کیا جاتا ہے۔ آپ نے مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں ۱۰ مارچ ۱۹۴۱ء کو جو تقریر فرمائی۔ اس کے درج ذیل اقتباس پر غور فرمائیے:۔

"میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ جمہوری پارلیمانی نظام حکومت، جیسا کہ انگلستان اور بعض دوسرے مغربی ممالک میں ہے برصغیر کے لیے قطعاً غیر موزوں ہے۔" (نوائے وقت ۱۶/۶/۷۹)

(iv) مورخ اسلام اکبر شاہ خان نجیب آبادی نے اپنی تصنیف "تاریخ اسلام" جلد اول کے مقدمہ کے آخر میں (صفحہ ۳۷ تا ۴۶) ملوکیت، جمہوریت اور خلافت کے فرق کو واضح کر کے موجودہ جمہوریت کو باطل قرار دیا ہے۔

(v) اس وقت سیاسیات کے کورس کی تین کتابیں ہمارے سامنے پڑی ہیں۔ یہ کتابیں کالجوں میں طالب علموں کو پڑھائی جاتی ہیں۔ ان سب میں جمہوریت کے مقابلے نظام خلافت کا واضح تصور پیش کیا گیا ہے اور جمہوریت کو لادینی نظام قرار دیا گیا ہے۔

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۱۔ تعارف مدنیت | پروفیسر محمد امین جاوید، ایم اے سیاسیات، تاریخ | پہلا ایڈیشن ۱۹۶۵ء | صفحہ |
| | | تیسرا ایڈیشن ۱۹۶۸ء | ۱۰۱ تا ۱۰۲ |
| ۲۔ کتاب شہریت | پروفیسر محمد سرور، پروفیسر محی الدین، صدر شعبہ سیاسیات | پانچواں ایڈیشن | ۲۴۴ تا ۲۴۸ |

۳۔ اصول سیاسیات { پروفیسر صفدر رضا، صدر شعبہ سیاسیات } پہلا ایڈیشن ۱۹۶۵ء صفحہ
پانچواں ایڈیشن ۱۹۶۸ء ۴۴۸

(ii) مندرجہ ذیل علماء نے اپنی تصانیف میں سیاسی جماعتوں کے وجود (PARTY SYSTEM) کو ناجائز قرار دیا ہے:۔

| | | |
|---|---|---|
| ۱۔ پولیٹیکل تھیوری | سید ابوالاعلیٰ مودودی | صفحہ ۲۷ |
| ۲۔ اسلام کا اقتصادی نظام | مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی | ″ ۸۹ |
| ۳۔ پولیٹیکل تھیوری | ڈاکٹر عزیز احمد | ″ ۱۷ |
| ۴۔ قرآنی قوانین | غلام احمد پرویز | ″ ۹ نیا ایڈیشن صفحہ ۳۱ پرانا ایڈیشن |
| ۵۔ اسلام کا نظام حکومت | مولانا حامد اللہ انصاری | ″ ۱۷۴ |
| ۶۔ اسلام کا سیاسی نظام | مولانا محمد اسحاق سندھیلوی | ″ ۱۰۶ |
| ۷۔ دستورِ اسلام | مولانا محمد ادریس کاندھلوی | ″ ۱۸ |

(iii) مندرجہ ذیل مستقل تصانیف ہیں جو مغربی طرز انتخاب کو باطل قرار دیتی ہیں۔

| | |
|---|---|
| ۱۔ اسلام میں خلیفہ کا انتخاب | ڈاکٹر محمد یوسف پی۔ ایچ۔ ڈی |
| ۲۔ اسلام میں شوریٰ کی اہمیت | مفتی محمد شفیع صاحب کراچی |
| ۳۔ امیر کہاں تک شوریٰ کا پابند ہے؟ | قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند |
| ۴۔ اکثریت معیارِ حق نہیں | مولانا ابوالکلام آزاد |

(iiii) جزوی مضامین:۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ درخواست دہندگی اور عہدہ کی طلب | تفہیم القرآن | زیر آیت اجعلنا للمتقین اماما | مولانا ابوالاعلیٰ مودودی |
| ۲۔ حق بالغ رائے دہی کا ابطال | تفہیم القرآن | زیر آیت استخلاف | مولانا ابوالاعلیٰ مودودی |

ہمیں ایسی مطبوعات یا مضامین کو مزید تلاش کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس "اجماع سکوتی" کے ابطال کے لیے یہ کچھ بھی بہت کافی ہے۔

آج کل قومی بحث کے عنوان سے نوائے وقت میں جو انٹرویو یا سیاسی لیڈروں کے بیانات شائع ہو رہے ہیں ان میں کسی سیاسی رہنماؤں نے مغربی جمہوریت کے قطعاً غیر اسلامی ہونے کا

بیان دیا ہے۔ حالانکہ وہ خود انتخابات میں حصہ لیتے رہے ہیں۔

۱۔ مولانا معین الدین صاحب لکھوی۔ ۲۔ رفیق احمد باجوہ۔

۳۔ بابا خدا داد خاں ۴۔ حافظ عبد القادر روپڑی

اور ایسے حضرات تو بہت زیادہ ہیں جو کسی سیاسی شہرت کے مالک نہیں لیکن وہ جمہوریت کے خلاف مضامین قلمبند کر رہے ہیں۔ اور ایسے مضامین نوائے وقت سمیت دوسرے اخبارات میں بھی چھپ رہے ہیں۔

گویا آج سے پچاس ساٹھ سال پیشتر سے لے کر آج تک یہ آواز مسلسل سنائی دے رہی ہے کہ مغربی طرزِ انتخاب از روئے اسلام ناجائز ہے تو پھر اس پر اجماع سکوتی کا فتویٰ کیونکر درست ہے؟

اب رہا یہ سوال کہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور ان کے ساتھیوں نے ۱۹۴۹ء کی قرارداد مقاصد پر اطمینان کا اظہار کیا تھا تو اس کی وجہ محض یہ ہے کہ اسلامی نظام کی طرف پیش رفت کے لیے ایک نسخہ تجویز ہوا تھا۔ یہ لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا رہے کہ اس نسخہ کا استعمال بھی کیا جائے گا مگر جب یہ امید بر نہ آئی تو پھر ہر طرف سے آوازیں اٹھنے لگیں۔ یہ تو واضح ہے کہ نسخہ خواہ کتنا ہی قیمتی اور شفا بخش کیوں نہ ہو اگر استعمال ہی نہ کیا جائے اور اس کاغذ کے پرزے کو سنبھال کر رکھا جائے تو اس سے شفا کی توقع خیال باطل ہے۔

۱۹۷۳ء کے آئین میں جن علماء کی موجودگی کا ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ سب ایک فریق کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا ان کے اطمینان کو وجہ جواز بنانا فضول ہے۔ سیاسی قائد کا اپنا مفاد اسی میں ہے کہ انتخاب کا سلسلہ چلتا رہے الا ماشاء اللہ۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ جو سیاسی اور دینی رہنما جمہوری طرزِ انتخاب کو غیر اسلامی قرار دیتے ہیں وہ خود کیوں انتخابات میں حصہ لیتے رہے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لوگ برضا و رغبت الیکشن میں حصہ نہیں لیتے بلکہ بامر مجبوری انھیں یہ تلخ فریضہ سرانجام دینا پڑتا ہے تاکہ دین بیزار اور خراب عناصر کے راستہ کو بالکل آزاد نہ چھوڑ دیا جائے۔ بلکہ اس بے دینی اور بدعنوانی کے سیل رواں کے سامنے جہاں تک ہو سکے رکاوٹیں کھڑی کرنا چاہئیں۔ گویا ان لوگوں کا انتخاب میں حصہ لینا ایک دفاعی طریقِ کار تھا۔ اور اَھْوَنُ الْبَلِیَّتَیْنِ کے نظریہ کے پیش نظر انتخابات میں حصہ لینا اس لیے گوارا کر لیا گیا کہ اگر انتخاب میں حصہ نہ لیا جائے تو اس کا نقصان

اس سے بھی زیادہ ہوگا۔

## سیاست دانوں کی جمہوریت سے وابستگی کی وجوہات

مذکورہ مذہبی رہنماؤں کے علاوہ بیشتر سیاست دان ایسے ہیں جو بہر حال مغربی طرزِ انتخاب کو سینے سے لگائے رکھنا چاہتے ہیں۔ اس کی وجوہات درج ذیل ہیں۔

۱۔ حقیقت یہ ہے کہ جمہوری نظام میں حاکمیت عوام کی نہیں ہوتی بلکہ ان پیشہ ور سیاست بازوں کی ہوتی ہے جو عوام کی رائے سے ہر وقت کھیلتے اور اپنا اُلو سیدھا کرتے رہتے ہیں۔ اس نظام میں سیاسی مقتدرِ اعلیٰ (یا طاقت کا سرچشمہ) تو عوام کو کہا جاتا ہے لیکن جب وہ اپنا اختیار نمائندوں کو بذریعہ ووٹ منتقل کر دیتے ہیں تو ان کی منتخب شدہ ممبروں کی یہ پارلیمنٹ آئینی اقتدارِ اعلیٰ بن جاتی ہے۔

عوام کی اپنی رائے کچھ نہیں ہوتی نہ ہی وہ اہل الرائے ہوتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ اور دولت کے وسائل پر قابض لوگ ان کی رائے کو بگاڑتے اور سنوارتے رہتے ہیں۔ عوام کی حیثیت اس خام مال کی ہوتی ہے جو چند سرمایہ داروں کو سیاسی اقتدارِ اعلیٰ سے اٹھا کر آئینی اقتدارِ اعلیٰ کے ایوانوں میں لا کھڑا کرتا ہے تاکہ وہ اپنی خواہشات کے مطابق قانون بنا سکیں اور اس مدت کے دوران عوام ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ البتہ آئینی اقتدار سے محروم سیاست دان چاہیں تو سیاسی اقتدارِ اعلیٰ یعنی عوام کو بیوقوف بنا کر آئینی مقتدرِ اعلیٰ کو مخصوص مدت سے قبل ہی ختم کر سکتے ہیں اور خود آئینی اقتدارِ اعلیٰ کی حیثیت اختیار کر سکتے ہیں۔ لیکن پیشہ ور سیاست بازوں کا ایک اور غول سیاسی مقتدرِ اعلیٰ (عوام) کو ایک بار پھر بے وقوف بنا کر نئے آئینی مقتدرِ اعلیٰ کا خاتمہ کر سکتا ہے۔ عوام کی حاکمیت اور اقتدارِ اعلیٰ کا تصور یہی ہے کہ وہ بار بار بیوقوف بنتے رہیں۔ تاکہ ان کی حماقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انھیں ہر بار بے وقوف بنانے کا سلسلہ جاری رکھا جا سکے۔

یہی وہ جمہوریت کا دلچسپ کھیل ہے جس سے ہمارا سیاستدان بہر حال چمٹا رہنا ہی پسند کرتا ہے۔ پھر چونکہ عوام بے علم ہونے کے باوجود اسلام کے شیدائی ضرور رہیں۔ اس لیے وہ آیات کی تاویل کر کے اور واقعات کو اس طرح توڑ موڑ کر پیش کرے گا کہ جس طرف سے دیکھیں جمہوریت کے آئینہ میں اسلام ہی اسلام نظر آئے۔